مطبوعات

POLITICAL CONCEPTS IN THE QUR'AN
قرآن میں سیاسی تصورات

مصنف: پروفیسر قمرالدین خاں صاحب۔
ناشر: انسٹیٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز کراچی۔
صفحات: ۷۶ قیمت: ۱۲/- روپے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا تھا جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ یہ معاشرہ ایک مثالی معاشرہ تھا۔ اور اپنے مخصوص معاشرتی اصول و اقدار، اقتصادی قوانین و ضوابط اور سیاسی نظریات رکھتا تھا۔ مسلمانوں نے ہر دور میں اس معاشرے کو روشنی کا مینار سمجھا ہے۔ اور اپنی اجتماعی زندگی کے نقش و نگار سنوارنے کے لیے ہر عہد میں اسے ہی پیشِ نظر رکھا ہے۔ لیکن آج مسلمانوں میں ایسے دانشور اور مفکر بھی پیدا ہونے لگے ہیں جو اپنی تمام تر صلاحیتیں یہ باور کرانے میں صرف کر رہے ہیں کہ اسلام محض چند اخلاقی تعلیمات کا ایک مجموعہ ہے اور اس کا دامن معاشرتی اصولوں، اقتصادی ضابطوں اور سیاسی ڈھانچوں سے بالکل تہی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اسی تحریک کی ایک کڑی ہے۔ دین و دنیا کی تفریق کا جو نظریہ عیسائیت اور دوسرے مذاہب کا طرۂ امتیاز تھا، یہ کتاب اسی کی صدائے بازگشت ہے۔

کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ جن کے عنوان ہیں (۱) تصورِ ریاست (۲) قرآن میں سیاسی اصطلاحات، (۳) تصورِ اقتدار اعلیٰ (۴) قانون سازی (۵) عدالتی شقیں (۶) جنگ اور امن (۷) مالیاتی انتظامات۔ آخر میں "نتیجہ" کے زیرِ عنوان تمام مباحث کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کے تمام مباحث کا مرکزی تخیل ایک ہی ہے کہ قرآن کوئی سیاسی نظریہ پیش نہیں کرتا ہے۔ قرآنِ مجید نہ تصورِ ریاست اور نظریۂ اقتدار اعلیٰ سے بحث کرتا ہے اور نہ اس میں قانون کا تصور اور قانون سازی کے اصول و مبادی ملتے ہیں۔ قرآن مجید نہ کوئی مالیاتی نظام پیش کرتا ہے اور نہ عدالتی ڈھانچہ۔ قرآن کے بعض الفاظ سے جو سیاسی تصورات کشید کئے گئے ہیں وہ چند "سیاسی مہم جو لوگوں" کی ذہنی اپج ہے۔ ساری کتاب میں قرآنِ مجید کی

سیدھی سادھی تعلیمات کو مسخ کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر تاریخی حقائق کو چھپانے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ کتاب کے تمام مباحث پر تفصیلی محاکمہ مشکل ہے۔ صرف مشتے از خروارے کے طور پر چند باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس سے ساری کتاب اپنی روح کے ساتھ قاری کی نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔

مغربی مفکرین کی رائے میں ریاست ایک ایسا معاشرہ ہے جو مخصوص رقبہ رکھتا ہو اور امن و امان اور انصاف کے لیے اپنے پاس قوت نافذہ بھی رکھے۔ قرآن میں چونکہ ریاست کی کوئی ایسی فلسفیانہ تعریف نہیں ملتی ہے اس لیے فاضل مؤلف کے نزدیک قرآنِ مجید سرے سے اسلامی ریاست کا کوئی تصور ہی پیش نہیں کرتا۔ (ص۱)

وہ مزید فرماتے ہیں کہ "جس معاشرتی ماحول میں قرآن مجید کا نزول ہوا اس وقت عرب میں کسی ریاست کا وجود نہ تھا۔ اس وجہ سے اہلِ عرب ریاست، حکومت، قوم، قانون اور عدلیہ کے تصورات سے بالکل ناآشنا تھے۔ لہٰذا ان سیاسی اصطلاحات کی زبان میں ان سے خطاب کرنا ان کے فہم سے بالاتر ہوتا۔" (ص۵) ہمارے نزدیک پروفیسر صاحب کا طرزِ استدلال دو وجوہ سے غلط اور خلافِ حقیقت ہے۔ اولاً قرآنِ مجید دور از کار فلسفیانہ مباحث کی کتاب نہیں ہے، بلکہ کتاب ہدایت ہے۔ جو لوگوں کو نظری بحثوں میں اُلجھانے بغیر عمل اور اصلاح پر اُبھارتی ہے۔ لہٰذا اگر قرآنِ مجید میں ریاست کی کوئی اصطلاحی تعریف موجود نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کو اپنے سیاسی اداروں کی تعمیر کی کوئی اساس مہیا نہیں کرتا۔ ثانیاً تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ اہل عرب کے تجارتی قافلے اکثر شام، مصر، عراق وغیرہ میں آتے جاتے رہتے تھے۔ اور وہ ان عظیم الشان ریاستوں سے بخوبی واقف تھے۔ پھر یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ بالکل ابتدائی دور میں جب مسلمانوں پر کفارِ مکہ کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو مسلمان حبشہ کی عیسائی ریاست میں ہجرت کر گئے تھے۔ اور کفار ان کے تعاقب میں والیٔ ریاست نجاشی تک جا پہنچے تھے۔ اس طرح مسلمان اور کفار دونوں فریق اپنی آنکھوں سے ایک باقاعدہ اور منظم ریاست کا مشاہدہ کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں ایک معلوم و معروف چیز پر کلام کرنا پسند نہیں فرمایا گیا کیونکہ یہی ایجاز و اختصار قرآن کا اعجاز ہے۔

تصورِ ریاست پر گفتگو کرتے ہوئے ایک مقام پر پروفیسر صاحب رقمطراز ہیں۔ "قرآن اس بات کا قائل نہیں ہے کہ سیاسی قوت و اقتدار لوگوں کے ضمیر کی تشکیل کر سکتا ہے۔ یا اس پر حکمرانی کر سکتا ہے بلکہ سیاسی قوت اکثر ظلم و استبداد اور تباہی کا سبب بنتی ہے۔" (ص۳) اس میں شبہ نہیں ہے کہ خارجی دباؤ سے انسان کے ذہن و قلب کو متاثر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس امر سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ناپسندیدہ افراد کی ناپسندیدہ

سرگرمیوں کو روکنے کے لیے طاقت کا استعمال ضروری ہے۔ کیا کوئی اشتراکی ملک اپنے افراد کو اشتراکی فلسفہ اور نظریہ کے خلاف بات کرنے اور اشتراکی نظام کو زیروزبر کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ اسی طرح کیا کوئی جمہوری ریاست لوگوں کو جمہوری اداروں کی بیخ کنی کرنے کی آزادی دے سکتی ہے۔ اسلام جس سیاسی قوت کا طلب گار ہے اس کا مقصدِ وحید بھی یہی ہے کہ کم ازکم اس قوت کے ذریعہ سے ایسے تخریب پسند عناصر کو پنپنے نہ دیا جائے جو اسلام کے بنیادی عقیدوں اور اس کے قائم کردہ اداروں کو تہ وبالا کر دیں۔ فاضل پروفیسر صاحب کا اگر یہ نقطۂ نظر بھی صحیح سمجھ لیا جائے کہ اقتدار اکثر ظلم و استحصال اور تباہی و بربادی کا ذریعہ بنتا ہے تو اس سے ہر فرد پر واجب ہو جاتا ہے کہ قوت و اقتدار کے تمام مظاہر کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دے۔ اور اقتدار کی مسند بچھنے کی اجازت ہی نہ دے تاکہ انسانیت اس سیاسی قوت کے ظلم و استبداد کے پنجہ سے گلوخلاصی کر سکے۔ پروفیسر صاحب کیا اقتدار دشمنی کی کوئی ایسی تحریک چلانا پسند کریں گے؟ یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف سیاسی قوت کو ہلاکت و بربادی اور تمام برائیوں کا سرچشمہ قرار دیا جا رہا ہے۔ لیکن دوسری طرف بڑی شدّ و مدّ کے ساتھ یہ وعظ بھی کیا جا رہا ہے کہ مذہب کو سیاسی اقتدار سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اربابِ اقتدار کو کبھی چیلنج نہیں کرنا چاہیے۔

زیرِ تبصرہ کتاب کا سب سے خطرناک حصہ وہ ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کے مقصدِ بعثت پر بحث کی گئی ہے۔ پروفیسر صاحب کے نقطۂ نظر کے مطابق (جو ان کے خیال میں خالص قرآنی نقطۂ نظر ہے) "انبیاء لوگوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف دعوت دینے آئے تھے۔ حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام صرف اخلاق کے معلّم تھے۔ اصحابِ اختیار نہ تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ وہ ایک اسلامی ریاست کے قیام کے لیے مبعوث کئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے اقتدار کو چیلنج نہیں کیا" (ص۱۳۱) نیز "پیغمبر ایک عام شہری ہوتا ہے ان کو سیاست سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔" (ص۱۳۱) قرآنِ مجید اس نظریہ کو بھی باطل ٹھہراتا ہے۔ قرآن کے مطابق ہر نبی کی بعثت کی غرض یہ تھی کہ لوگ اس کی اتباع کریں۔ اور اس کی اطاعت بجا لائیں۔ یہ چیز باطل نظام کے خلاف بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام نے نمرود و فرعون کو توحید و رسالت کی جو دعوت دی تھی اسے اگر وہ قبول کر لیتے تو انہیں اپنے اقتدار سے دست بردار ہونا پڑتا۔ کیونکہ وہ حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کی اطاعت کے پابند ٹھہرتے۔ اور اقتدارِ اعلیٰ ان اولوالعزم پیغمبروں کی طرف منتقل ہو جاتا۔ کیونکہ اقتدارِ اعلیٰ کہتے ہی اس کو ہیں جس کی سب سے بڑھ کر اطاعت کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اربابِ اقتدار

نے انبیاء کی دعوتِ توحید و رسالت کو بے ضرر اصلاحی اور اخلاقی تعلیمات سمجھ کر نہ صرف یہ کہ اس کی سرپرستی نہیں کی بلکہ اس دعوت کے مضمرات سے ادنیٰ چشم پوشی بھی گوارا نہ کی۔ اس کے برعکس اپنے تمام مادی وسائل سے ان حضرات کی دعوت کو ناکام بنانے کی کوشش کی۔ فرعون نے تو موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سن کر ساری قلمرو میں خطرے کی گھنٹی بجا دی کہ یہ شخص ہمارا اقتدار چھیننا چاہتا ہے۔ لیکن افسوس کہ فاضل پروفیسر صاحب انبیاء کی دعوت کے ان مضمرات کا ادراک نہیں کر سکے۔

آج جب کہ ہر گروہ اپنے مخصوص نظریات کی ترویج و تنفیذ کے لیے سیاسی قوت و اقتدار کا حصول ضروری سمجھتا ہے۔ اور اشتراکی، سرمایہ پرست، جمہوریت پسند اور بے دین قومی اقتدار کو حاصل کرنے کی غرض سے سرگرمِ عمل ہیں، مسلمانوں کو افیون کے یہ ٹیکے لگائے جا رہے ہیں کہ وہ اس کشمکشِ حیات سے بے تعلق رہیں۔ اور ایک غلامِ بے دام کی طرح ہر بے خدا اشتراکی اور ہر خدا بیزار سرمایہ پرست اور جمہوریت نواز کی چاکری پر کمربستہ ہو جائیں۔ دیکھیے پیرایۂ وعظ کتنا مؤثر ہے " بھارت، سری لنکا، روس، برما، تھائی لینڈ، فلپائن اور افریقہ کے بہت سے ممالک میں مسلمان کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ اگر انہوں نے کوئی اسلامی ریاست قائم کرنے کی کوشش کی تو ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا" (ص ۴۳)۔

اسلام "ایک کیشِ مرداں" ہے لیکن پروفیسر صاحب نے اس کو " مذہبِ گوسفنداں" بنا کر پیش کیا ہے۔ اسلام شہادت گہِ اُلفت ہے۔ اور گامِ اولین پر سر کا نذرانہ پیش کرنا پڑتا ہے۔ یہ وادیٔ عشق ہے اور یہاں آبلہ پائی کا مرحلہ ناگزیر ہے۔ اگر آبلہ پائی کا یارا نہیں تو کس حکیم نے کہا ہے کہ وادیٔ عشق میں قدم رکھا جائے۔

ہماری رائے میں مؤلف نے یہ کتاب تالیف فرما کر خداداد صلاحیتوں اور قوتوں کا صحیح مصرف تلاش نہیں کیا اور اس کتاب کی اشاعت پر جو زرِ کثیر صرف ہوا ہے اسے ضیاعِ محض کے نام ہی سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔

زخمۂ دل (نعت و منقبت)

نتیجۂ فکر: حکیم سرو سہارنپوری

شائع کردہ: مکتبۂ نمود منزل۔ جی ۲۰۵ غازی صلاح الدین ایوبی روڈ۔ راولپنڈی۔

ضخامت: ۱۱۰ صفحات — قیمت: ۶/- روپے

پانچ قصائد اور بارہ نعتیہ غزلوں کا یہ مجموعہ حکیم سرو سہارنپوری کے خلوص اور قدرتِ کلام کا ایک قابلِ قدر نمونہ ہے۔ قصیدہ کی پٹی ہوئی صنفِ سخن کو انہوں نے سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے اور اسے نبھانے کی حتی المقدور

کوشش کی ہے۔ قصیدہ گویوں کی روایتی بے اعتدالیوں سے ان کا کلام پاک ہے۔ قصیدہ "رحمۃ اللعالمینؐ" سے پہلے مشہور نعتیہ قطعہ "بلغ العلیٰ بکمالہ۔ کشف الدجیٰ بجمالہ" کا منظوم اُردو ترجمہ سرو صاحب کی مہارتِ فن کی دلیل ہے۔

سرو صاحب کے کلام کی ایک نمایاں خوبی سلاستِ زبان وروانیٔ بیان ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے قصیدہ کی روایتی ہیئت کا پورا پورا اہتمام کیا ہے۔ تشبیبوں میں گریز کے مقامات سے بڑی خوبصورتی سے گذرے ہیں۔ ملاحظہ ہو ؎

منہ ڈھانپے ہوئے جاتی ہے تاروں کی ادا سے — دیکھے تو کوئی رات کا اُترا ہوا چہرہ

(رحمۃ اللعالمینؐ)

گلشن میں کوئی سرو قد آنے کو ہے اے دل — شمشاد و صنوبر پئے تعظیم ہوئے خم

(صدیق اکبرؓ)

خود حُسنِ ازل آئینہ بردار ہوا ہے — بے پردہ ہُوا کس کا رُخِ آئینہ سیما

(فاروق اعظمؓ)

آخر کوئی باعث تو ہے پھولوں کی حیا کا — شاید کہ لبِ سرو پہ ہے مدحتِ عثمان

(عثمان غنیؓ)

ص۵۳ پر اس شعر میں "ازل سے" کے بجائے "ابد تک" ہونا چاہیے تھا ؎

آئینۂ قسمت میں ازل سے ترے سر ہے — قرآن کی نگہداشت، تراویح کا سہرا

ص۸۳ پر "بہتا ہے سمندر" کا ٹکڑا خلاف عادت ہے۔ سمندر بہتا نہیں ہے، اُمنڈتا ہے، موجزن یا متلاطم ہوتا ہے۔ ص۹۶ پر ایک مصرع ہے ع حدِ حیات میں ہے شورِ کن فکان تجھ سے"۔ یہاں "حد" کے دال کو مشدد ہونا تھا اور مصرع یوں موزوں ہو سکتا تھا ع

جہانِ زیست میں ہے شورِ کن فکاں تجھ سے

"زخمۂ دل" نعت ومنقبت کے مجموعوں میں انشاء اللہ امتیازی مقام حاصل کرے گا۔ دیدہ زیب اور معنی خیز گرد پوش کے ساتھ کتاب کی عمدہ طباعت اس کے معنوی حُسن کو دوبالا کرتی ہے۔